© rasailojaraid.com

تعارف وتبصرہ

چند اربابِ کمال

مولانا ضیاء الدین اصلاحی

پتہ : ضیاء الدین اصلاحی، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ یوپی صفحات ۲۰۸، قیمت ۲۵ روپئے

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب 'چند اربابِ کمال' کا تذکرہ ہے۔ جو مصنف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے۔ سہولت کے پیش نظر مصنف نے انھیں چار ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلا باب 'عربی کے تین ادیب وشاعر' میں، جاحظ، ابوالعلاء معری اور امراؤالقیس پر مفصل مضامین ہیں۔ صفحہ ۱۲۰ سے دوسرا باب شروع ہوتا ہے جو علامہ شبلیؒ اور ان کے تلامذہ ومنتسبین پر مشتمل ہے۔ اس میں علامہ شبلی کے علاوہ مولانا عبدالماجد دریابادی، اقبال سہیل، مرزا احسان احمد اور مولوی مسعود علی ندوی پر مختلف حیثیتوں سے مصنف نے اظہار خیال کیا ہے۔ 'چند قومی، ملی وسیاسی رہنما اور ماہرین تعلیم' یہ کتاب کا تیسرا باب ہے جس میں ڈاکٹر ذاکر حسین، مولانا مفتی محمد شفیع اور قاضی محمد عدیل عباسی پر مضامین ہیں۔ چوتھا اور آخری باب 'اردو کے دو ہندو محسنین، نیز ایک محقق اور ایک نقاد' ہے، جس میں منشی دیا نرائن نگم، منشی نول کشور، مولانا امتیاز علی خاں عرشی اور ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی کے تذکرے ہیں۔ آخر میں فہرست کتابیات ہے جو رسائل کے علاوہ عربی اور اردو کی چونسٹھ کتابوں پر مشتمل ہے۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی اس وقت شبلی طرز نگارش کے کامیاب نمائندہ ہیں۔ اردو ادب پر ان کی نظر بڑی گہری اور طرز نگارش بڑا پاکیزہ اور پرکشش ہے۔ ان مضامین میں ان کا ذوق انشاء اوج شباب پر ہے۔ ایک سال قبل مصنف کے ہاتھوں جب یہ کتاب نظر نواز ہوئی تو تبصرہ نگار اسے اول تا آخر ختم کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس مجموعہ کے پہلے دو مضامین 'جاحظ اور اس کی انشاء پردازی' اور 'ابوالعلاء معری اور اس کی شاعری وفلسفہ' جیسا کہ مصنف نے کہا ہے ان کی خاص محنت کا نتیجہ ہیں / حرفِ آغاز الف۔ واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر اردو میں اس رتبے کے مضامین اب تک غالباً نہیں لکھے گئے۔ اس سلسلے کے آخری مضمون 'امرؤالقیس کی عاشقانہ شاعری' سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کی طرح کلاسیکل عربی ادب پر بھی مصنف کی گہری نظر ہے۔ دوسرے باب میں اقبال سہیل کی غزل گوئی، اور 'مرزا احسان احمد کی نثر نگاری اور ان کے تغزل کا جائزہ مصنف نے بڑی دیدہ ریزی سے لیا ہے اور بہت ہی عمدگی سے ان کے محاسن کو ایک ایک کرکے نمایاں کیا ہے۔ یہ مضامین اس درجہ کامیاب ہیں کہ اردو زبان کے ان دو منفرد اور عبقری شاعروں کے مطالعہ میں بمشکل ہی انھیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آخری باب کے دو مضامین 'منشی دیا نرائن نگم اور ان کے رسالہ 'زمانہ'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی سرگزشت' اور منشی نول کشور اور ان کا پریس' مصنف کی جدت طبع اور ان کے لطیف ذوق تصنیف کے آئینہ دار ہیں۔ تبصرہ نگار نے ان دو مضامین کو خاص دلچسپی سے پڑھا۔

غالباً مصنف نے اپنی بڑھی ہوئی تواضع میں شبلی پر اپنے مضمون 'علامہ شبلی اور اعظم گڑھ' کو 'متاع کاسد' سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ علامہ کی شخصیت کے عمومی تعارف کے لیے یہ ایک بہترین مضمون ہے۔ علامہ موصوف سے مصنف کو مختلف وجوہ سے گہری عقیدت اور جذباتی لگاؤ ہے اس لئے اس کی آمیزش سے زبان و بیان میں اور بھی نکھار پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ مضمون ماضی قریب میں ہند کی دینی و علمی تاریخ کے نسبتاً ایک گم گشتہ باب کو سامنے لاتا ہے اور وہ ہے 'ہندوستان کی اولین قرآنی درس گاہ' مدرستہ الاصلاح سرائے میر' اعظم گڑھ' اور 'دار المصنفین' کا باہمی تعلق۔ جبکہ آج عام طور پر کانوں کے لیے یہ چیز اجنبی اور نامانوس ہے۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے اس مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ 'ندوہ' سے مایوس ہو جانے کے بعد علامہ شبلی نے 'مدرستہ الاصلاح' اور 'دار المصنفین' ہی کو اپنی آخری توجہ کا مرکز بنایا تھا۔ مدرستہ الاصلاح کی نسبت سے مولانا حمید الدین فراہی کے نام علامہ کے تاریخی مکتوب کو مولانا اصلاحی نے بھی نقل کیا ہے:

"کیا تم چند روز سرائے میر کے مدرسہ میں رک سکتے ہو' میں بھی شائد آؤں اور اس کا نظم و نسق درست کر دیا جائے...... ندوہ میں لوگ کام کرنے نہیں دیتے تو اور کوئی دائرہ عمل بنانا چاہیے' ہم سب کو وہیں بود و باش کرنی چاہیے...... اگر تم بہ عزم جزم آمادہ ہو تو میں موجود ہوں' پرنسپلی (مولانا فراہی اس زمانہ میں مدرستہ العلوم حیدر آباد کے پرنسپل تھے) اور بیش قرار تنخواہیں چند روزہ ہیں' اور یہ کام ابدی ہیں۔" ارباب کمال/۱۳۹۔ آخری وقت میں 'سیرت' کے علاوہ مدرستہ الاصلاح اور دار المصنفین یہی دو خواب تھے' جن کی وصیت کر کے ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو علامہ شبلی اپنے پروردگار کی آغوش رحمت میں جا پہنچے۔/۱۴۲

مدرستہ الاصلاح کے ناظم اول مولانا حمید الدین نے اس خواب کی تکمیل کی یہ صورت کی کہ علامہ کے انتقال کے بعد 'اخوان الصفا' کے نام سے ایک مجلس تشکیل دی۔ اس مجلس میں مولانا کے علاوہ' مولانا سید سلیمان ندوی' مولانا عبد السلام ندوی' مولوی مسعود علی ندوی' اور علامہ کے ایک دوسرے چہیتے شاگرد مولانا شبلی متکلم ندوی شامل تھے۔ علامہ کی خواہش اور ہدایت کے مطابق انہی مولانا شبلی کو مدرستہ الاصلاح کی تعلیمی اور مولوی مسعود علی ندوی کو اس کی انتظامی نگرانی سپرد کی گئی/۱۴۰' جبکہ ایک عرصہ تک وہ اس مدرسہ کے نائب ناظم بھی رہے/۲۲۳ جبکہ دوسرے ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی مسعود علی ندوی کو ابتداءً مدرستہ الاصلاح کے انتظام کے لیے لایا گیا تھا' بعد میں دار المصنفین کا کام بڑھ جانے کے سبب انھیں اس کے لیے یکسو ہونا پڑا۔

علامہ کے دوسرے خواب 'دار المصنفین' کی تکمیل کے لیے مولانا حمید الدین اس کے صدر ہوئے'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا سید سلیمان ندوی کو اس کا ناظم اور علمی شعبہ کا سربراہ بنایا اور مولانا مسعود علی ندوی کو اہتمام و انصرام سپرد کیا، مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا حمید الدین کی سرپرستی میں مولانا عبد السلام ندوی کے علمی اشتراک اور مولوی مسعود علی ندوی کے انتظامی تعاون سے اس کے کام کو آگے بڑھایا/۱۴۲ دارالمصنفین کے لیے شبلی نے اپنا ذاتی باغ و بنگلہ وقف کیا تو اس کے وظائف کے ایک حصہ کا اہتمام مولانا حمید الدین فراہی سے ۳۰ روپے ماہوار مقرر کرا کے کرایا/ایضاً علامہ کی وفات کے بعد مولانا فراہی دارالمصنفین، کے بہمہ وجوہ صدر تھے۔ ان کے ذمہ اس ادارہ کی صرف انتظامی نگرانی ہی نہیں بلکہ اس کی علمی سرپرستی، اور نگرانی بھی تھی۔ چنانچہ سیرت کی تیسری جلد کے مباحث کی ترتیب میں مولانا حمید الدین نے پوری مدد فرمائی/ص ۱۳۶ سیرت کی بقیہ جلدوں میں مواد و مضامین کی گہرائی اور تجزیہ و تحلیل کے پہلو سے اس تیسری جلد کو جو امتیاز اور منفرد حیثیت حاصل ہے اہل نظر اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ ان شواہد کی روشنی میں خیال ہوتا ہے کہ مدرستہ الاصلاح اور دارالمصنفین کے اولین ابتدائی رشتہ کو از سر نو بحال ہونا چاہیے۔ اور شبلی کے پیش نظر ان دو توأم اداروں کو اسی اشتراک و تعاون سے اپنے منصوبوں کو آگے بڑھانے اور شبلی کے حقیقی خواب کی تعبیر کا سامان کرنا چاہیے۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحی کو حسب موقعہ شخصیات پر سکولر انداز میں لکھنے کا بڑا اچھا ملکہ حاصل ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین سیرت و کردار کے بعض جلوے، میں ان کا یہ سلیقہ نمایاں ہے۔ ایک چیز البتہ کھٹکی نیشنل انٹگریشن کی ایک کانفرنس کا موقعہ تھا جبکہ قومی اتحاد و یک جہتی کے موضوع پر بہت سی تقریریں ہوئیں۔ لیکن مصنف کے خیال کے مطابق مرض کا جو علاج تجویز کیا جا رہا تھا وہ سطحی اور اوپری تھا۔ اصلی اور اندرونی بیماری پر یا تو کسی کی نظر نہیں گئی، یا لوگ دیدہ و دانستہ اس سے گریز کر رہے تھے مجمع کے سامنے اس کی نشاندہی ڈاکٹر صاحب موصوف نے بدیں الفاظ فرمائی:

"ہماری قومی یک جہتی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ذات پات کا نظام ہے جس کی جڑیں ہماری زندگی میں اتنی گہری پیوست ہیں کہ آزادی حاصل ہو جانے کے باوجود وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئیں ہمارا دستور اساسی اسے مانے یا نہ مانے وہ بھی ان رسم و رواج کو لکا یک نہیں بدل سکتا، جو ہزار سال سے سماجی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں، جب تک کہ خود معاشرہ اپنے اخلاقی ارادے کی قوت سے انھیں نہ بدلے ...." ایضاً/۲۲۷

تعجب ہے کہ مصنف نے ڈاکٹر صاحب کے اس سرسری بیان کو قومی یک جہتی جیسے اہم مسئلہ کا اصل علاج باور کرلیا ذات پات کا نظام خود کوئی مرض نہیں۔ بلکہ کسی بڑے مرض کے آثار و علائم میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سے تصورات و نظریات ہیں جنھوں نے ہند میں اس بدترین سماجی برائی کو نہ صرف زندہ بلکہ پروان چڑھایا۔ اتحاد و یک جہتی کی راہ میں صرف ذات پات کے نظام کو تنہا رکاوٹ گرداننا بھی کوئی قرین انصاف نہیں ہے کیا احیاء پرستی اور تہذیبی جارحیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے فلسفے اس راہ کی کم رکاوٹیں ہیں۔ غیر جانبدار جائزہ صاف بتاتا ہے کہ ملک میں باہمی بے اعتمادی، ناچاقی و دشمنی اور فرقہ وارانہ منافرت کے پھیلانے میں ذات پات کے نظام سے زیادہ ان فلسفوں کا دخل ہے۔ اس کے علاوہ اس ظاہری بیماری کے ازالہ کے لیے معاشرے کے جس اخلاقی ارادے کی دہائی دی گئی ہے، سوال پیدا ہوتا ہے آخر وہ کیسے حاصل ہو؟ اگر معاشرے کی کسی اکائی کے دین و مذہب کی بنیاد ہی 'ذات پات کے نظام' پر ہو تو کیا اسے اپنے مذہب سے بے تعلقی اختیار کرنے کا مشورہ دیا جائے گا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین سیکولرزم کے بہت بڑے علم بردار تھے۔ وہ اپنی تقریروں خطبوں مضامین اور مقالات میں اس کی زوردار ترجمانی کرتے تھے لیکن اس سے ہم اتفاق نہیں کر سکتے۔ ہمارے نزدیک نجات کی راہ وہ ہے جو کتاب و سنت نے دکھائی ہے یہ سیکولرزم کی نہیں خدا پرستی کی راہ ہے۔ یہی ہر مسلمان کا عقیدہ ہے۔

اسی سلسلۂ بیان میں مصنف نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو اقبال کے مرد مومن کا مصداق بتایا ہے/۲۳۷۔ اور خواجہ غلام السیدین کے حوالے سے 'تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز'.... الخ اقبال کے اشعار بھی نقل کیے ہیں/۲۳۷، ۲۳۸۔ اس کے سلسلے میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص کو اپنی بڑھی ہوئی قوم پروری اور سیکولر پرستی کے جوش میں ملتے پر قشقہ کھینچنے تک میں جھجک نہ رہی اسے چاہے جو کچھ کہا جائے مگر اقبال کے مرد مومن کا اسے مصداق ٹھہرانا بڑی زیادتی ہے۔ اللہ بھلا کرے مولانا دریابادی مرحوم کا جنھوں نے اسی موقع پر اپنے ہفتہ وار 'صدق' میں "قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا....." کے زیر عنوان ایک چبھتا ہوا نوٹ لکھ کر امت کی طرف سے نہی عن المنکر کا فرض کفایہ ادا کر دیا تھا۔

بہر حال یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ اس کے بعض پہلوؤں کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری معلوم ہوا۔ ورنہ حق یہ ہے کہ مولانا اصلاحی کے مضامین کا یہ مجموعہ اردو ادب کے ذخیرہ میں ایک بیش بہا اضافہ ہے جسے امید ہے ہر حلقہ میں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

اس مجموعہ میں مولوی مسعود علی ندوی پر مضمون بہت مختصر ہے جس سے پڑھنے والے کی تشنگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ مصنف نے بعض وجوہ سے اس اختصار کے لیے اعتذار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس اجمال کی خود تفصیل کر لی جائے۔ /حرف آغاز ج۔ حالانکہ یہ تفصیل کوئی 'صاحب البیت' ہی کر سکتا ہے۔ مصنف کے بقول مضامین کی نقلیں محفوظ نہ ہونے سے ان کے بہت سے اہم مضامین اس میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ حرف آغاز الف۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اگلے ایڈیشن میں اس مجموعہ میں ان کا اضافہ کر کے مصنف اس کی افادیت کو دوچند کر دیں گے۔ اور فائلوں میں بند نہ ہو کر ان کا افادہ عام ہوگا۔

تعجب ہے کہ یہ مجموعۂ مضامین جو شبلی طرز نگارش کا بہترین نمونہ، شبلی اور ان کے تلامذہ و منتسبین کے تذکرہ پر مشتمل دار المصنفین شبلی اکیڈمی کے ذوق و مزاج عین ہم آہنگ اور اس طرح جو اس کی مطبوعات میں ایک بہت اچھا اضافہ کر سکتا تھا اسے فخر الدین میموریل لکھنؤ کے تعاون سے مصنف کو اپنے طور پر شائع کرنا پڑا ہے۔

مطبعی اغلاط کے لیے بعض دقتوں کی وجہ سے مصنف نے خود اعتذار کیا ہے اور اگلے ایڈیشن میں تصحیح کا وعدہ کیا ہے /حرف آغاز ج۔ اس لیے ہم بھی انھیں نظر انداز کرتے ہیں۔ کتابت و طباعت بہتر اور قیمت مناسب ہے۔ (سلطان احمد اصلاحی)

© rasailojaraid.com